نسیم میرٹھی
ماسٹر نسیم میرٹھی
ذرّات لہو
ایک اونچا محل بنانے سے
دشمنی ہو گئی زمانے سے

مسکین مظہر علی خان

اہلِ ادب باذوق احباب کے لیے تحفہ پڑھنیے اور دعاؤں میں یاد رکھیے

Misken Mazhar ali Khan

مجھے تراش کے رکھ لو کہ آنے والا وقت

خزف دکھا کے گُہر کی مثال پوچھے گا

فضا ابنِ فیضی ✍️

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظریں مل جانا ہی تکمیلِ محبت تو نہیں
بات تو دل کی ہے دل سے دل ملے جب بات ہے

انتساب

محترم والد ماسٹر خورشید حسن کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے
کتاب کے جملہ حقوق بیگم سلمہ ناز کے نام۔

نام ــــــــــــ انیس احمد
قلمی نام ــــــــــــ نسیم میرٹھی
ولادت سنہ ۱۹۵۴ء ــــــــــــ ۱۷۴ اسمٰعیل نگر میرٹھ
نام کتاب ــــــــــــ ذراتِ لہو
انتخاب ترتیب ــــــــــــ مشیر قادری
معلم ــــــــــــ ماسٹر خورشید حسین
معاونین ــــــــــــ چند کرم فرماں
تعداد اشاعت ــــــــــــ ایک ہزار
پیشکش ــــــــــــ بزمِ خلوص و ادب میرٹھ
سنِ اشاعت ــــــــــــ ستمبر سنہ ۱۹۸۲ء
کتابت طباعت ــــــــــــ ایس ممنون علی نامی پریس میرٹھ
تعاونی رقم ــــــــــــ ۱۵ روپے

ملنے کا پتہ:
ہندوستان بکڈپو پرانی تحصیل میرٹھ ۔ ہلالی پریس بکڈپو و اردو بک سینٹر گدری بازار میرٹھ
کتب خانہ عزیزیہ اردو بازار جامع مسجد دہلی۔

۷۸۶

نسیم احمد صاحب کی ولادت سے ۳۰ سال قبل اِن کے والد ماسٹر خورشید حسن صاحب سے ہمارے تعلقات تھے۔ وہ ٹیچر تھے۔ نسیم صاحب کی تعلیم کے منتظم ان کے والد صاحب ہی رہے۔ صنیجت اچھی ملی۔ شاعری کا ذوق نظری تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت جمیل صاحب سے شرفِ تلمذ حاصل کیا اور تاحیات صاحبِ موصوف سے اصلاح لیتے رہے۔ نسیم صاحب با اخلاق اور باادب انسان ہیں۔ منافقت سے دور اور محبّت سے معمور ہیں۔ کلام نہایت شائستہ اور سادہ عام فہم پُر اثر ہوتا ہے مقبولِ خلائق ہیں۔ ہمعصر شعراء میں امتیازی شان رکھتے ہیں خود دار ہیں۔ ترنّم دلکش ہے دور دور مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں۔ اب بزم خلوص و ادب کے معاون ناظم ہیں۔ اصنافِ سخن پر قادر ہیں۔ نمونہ کلام نذر ناظرین ہے۔

مضمون طویل ہونے کی وجہ سے ہم کلام پر تبصرہ نہیں کر رہے ہیں۔

مگر پھر بھی کچھ شعر ہم اہلِ ادب تک پہونچانا ضروری سمجھتے ہیں۔

ملاحظہ کریں۔ ؎

ہمارے دعوے بہت آج معتبر نکلے — بڑے فریب بھرے اپنے راہبر نکلے

ترکِ وفا کے بعد تیرا نام بھی نہ لوں — یہ بات تو نہیں ہے مرے اختیار میں

وہی راہِ حق کا طلب گار ہو گا — جو ہنستا ہوا ہی سرِ دار ہو گا

الغرض نسیم کی سہل بیانی اشعار میں جادو کا اثر رکھتی ہے۔

بقول مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

دُعا گو

ثروت میرٹھی۔

باسمہٖ تعالیٰ

نسیم میرٹھی کو میرا بارہا مشاعروں میں سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ یہ نوجوا
شاعر اپنی عمر کی جس منزل سے گذر رہا ہے اس کے لحاظ سے اس کے کلام میں سیاسی
رومانیت کے عنصر کا غالب ہونا ایک فطری امر ہے نسیم اپنی جواں غزلوں اور مترنم آواز کے
ساتھ جب مائک پر آتے ہیں تو سامعین انہیں توجہ سے سنتے ہیں محظوظ ہوتے ہیں او
دل کھول کر داد دیتے ہیں۔

یہ جان کر مسرت ہوئی کہ ان کا شعری مجموعہ زیور طبا عت سے آراستہ ہو کر منظر عام
آنے والا ہے۔ اب جبکہ نسیم میرٹھی مشاعروں کے اسٹیج ہی تک محدود رہنا نہیں چاہتے۔ بلکہ ر
قرطاس پر بھی جلوہ گر ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں تو میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ اپنی شاعر
کے کینوس کو وسیع کرنے کی کوشش کریں۔ محض پیش پا افتادہ مضامین اور جذباتی اور عمو
شاعری پر اکتفا نہ کریں۔ بلکہ فکری شاعری کی طرف متوجہ ہوں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب
وہ مطالعے کے لئے زیادہ وقت دیں اور سخت محنت کریں۔ کاغذ پر جب تک کوئی چونکا
دینے والی تخلیق نہیں آئے گی بات نہیں بنے گی۔ اس کے بغیر ادبی حلقوں میں اعتبار قائم
ہونا بہت مشکل ہے۔ اسٹیج کی شاعری اور کتاب کی شاعری میں جو فرق ہے نسیم میرٹھی
اس سے بخوبی واقف ہوں گے اور اس فرق کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہی انہوں نے اپنا کلام
چھپوانے کا اہتمام کیا ہو گا۔ ——— امید ہے کہ ان کے پہلے شعری مجموعہ
کی خاطر خواہ پذیرائی ہو گی۔ اور اہل ذوق عموماً اور ان سے محبت کرنے والے خصوصاً اس
کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور نئی نسل کے اس ابھرتے ہوئے فن کار کی حوصلہ افزائی
کریں گے۔ میری دعا ہے کہ نسیم میرٹھی کا یہ شعری مجموعہ عوام اور خواص میں خوب مقبول ہو۔

(الحاج) حفیظ میرٹھی)

میرٹھ۔ ایک دبستان

میرٹھ دبستانِ شعر و ادب ہے۔ مستقل دبستان کی کوئی بھی تعریف متعین کیجیے میرٹھ کا سا شہرِ آرزو اس کسوٹی پر پورا اور کھرا اترتا ہے یہاں صفِ اوّل کے شعرا و ادبا نقادانِ فنِ عروضی اور ماہرینِ السنہ ہر دم اور ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ استادانِ فن اسی خاک سے حبابِ آسا اٹھے، پورے ملک پر چھائے اور ابرِ نیساں کی طرح برس گئے۔

غالبؔ کو بنانے والی تین عدیم المثال ہستیوں میں دو کا تعلق براہِ راست اسی خطے بے نظیر سے تھا یعنی صہبائیؔ اور شیفتہؔ کا خمیر اسی خطے سے اٹھا اور ان کا ذہنی ارتقا اسی ارضِ باہنر کا ساختہ پرداختہ رہا۔ — عہدِ حاضر میں اردو کے سب سے بڑے ماہرِ عروض علّام سحرؔ عشق آبادی میرٹھ کے ایک محلے کو جو عشق آباد سے موسوم تھا اپنے عشق آبادی ہونے پر ناز کرتے ہیں۔ اس پر مستزاد ان کو گاہ بہ گاہ مشورے دینے والی بزرگ و محترم ہستی استاذ الاساتذہ جناب ثروتؔ میرٹھی آج بھی یہاں موجود ہیں — میرٹھ کے دبستان ہونے کا بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ آج تک یہ سلسلہ لگاتار جاری ہے چھوٹے بڑے ہر قسم کے شاعر یہاں آج بھی موجود ہیں نسیمؔ میرٹھی میرٹھ کے ایک ہونہار نوجوان ابھرتے ہوئے فنکار ہیں۔ وہ اچھی طرح واقف ہیں۔ کہ غزل آبروئے ادب و تہذیب ہی نہیں ایک رسوائے زمانہ صنفِ سخن بھی ہیں اس لئے ان پر لازم ہے کہ ان تمام آلائشوں سے اپنی غزل کو پاک رکھیں جن سے اس کا دامن داغدار ہوتا ہے۔

یوں تو وہ نعت سلام اور منقبت سب ہی کہہ سکتے ہیں۔ مگر بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ ان کی ذمہ داری اور بھی دو چند اور سہ چند ہو جاتی ہے میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ مطالعہ کی تازگی مشورہ کی عظمت اور مشق و مزاولت کی اہمیت کا ہمیشہ پاس کریں۔ اس طرح جو فنکار ان میں مجھے کروٹ لیتا نظر آتا ہے۔ ممکن ہوگا بہت جلد اپنے اصل مقام پر گامزن ہو سکے۔ ان کے دوستوں کی دعائیں ان کے ساتھ ہیں ان کا یہ پہلا مجموعہ ان کے آئندہ عزائم کا آئینہ دار بنکر سامنے آئے۔ اور خدا کرے خاطر خواہ حسن قبول حاصل کر سکے۔

ڈاکٹر امیر اللہ خاں شاہین
صدر شعبۂ اردو میرٹھ یونیورسٹی میرٹھ۔

نسیم میرٹھی کی غزلیں حسنِ بیان، لطیف احساس اور بھرپور نغمگی کا نمونہ ہیں اُن کے اندازِ غزل میں کیفیت اور غنائیت ہے۔ حُسن و عشق کے ذاتی احساسات ہوں یا عصرِ حاضر کے اجتماعی تجربات، وہ ہر موضوع کو غزل بنا کر، سجا کر اور سنوار کر پیش کرتے ہیں۔ اُن کے کئی اشعار آج کے دور کی اُلجھنوں، مسائل اور افراتفری کا عکس پیش کرتے ہیں، لیکن حکایتِ روزگار کو نسیم میرٹھی نے غزل کے اسلوب اور انداز میں پیش کیا ہے۔

نسیم میرٹھی کے بے شمار اشعار عشق کی پاکیزگی، بلندی اور خلوص سے روشنی پاتے ہیں۔ حُسن کا دلآویز اور دلکش تصوّر اُن کے لفظوں کو معطّر اور منوّر بنا دیتا ہے۔ ہجر کے اداس لمحوں کا ذکر ہو یا محبوب کی قربتوں کی خوشگوار ساعتوں کی جذبات نگاری ـــــ وہ ہر رنگ میں اچھے اشعار کہنے پر قادر نظر آتے ہیں۔

نسیم میرٹھی اپنی مترنّم غزلوں کو بہت خوبصورت ترنّم سے پڑھتے ہیں۔ ان کی یہ مزید خوبی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے اشعار عوام اور خواص میں پسند کئے جاتے ہیں۔ اور وہ اطراف کے نوجوان شاعروں میں اپنا امتیازی مقام رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر بشیر بدرؔ

نسیم میرٹھی کی شخصیت اور عظمت سے میرٹھ کے نہیں بلکہ ہندوستان کے شاعر اور ادیب واقف ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری میں سادہ۔ بول چال کی زبان اور چھوٹی بحروں میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ؎

آپ سے جب جدا ہو گئی ✣ زندگی ایک سزا ہو گئی

اُن کا کلام غم کا کلام نہیں بلکہ جرأت ہمت، خودداری، خود شناسی کا نقیب ہے۔

(ایس ممنون علی۔ ایم اے (جرنلسٹ)

میری نظر میں نسیم

:. سرزمین میرٹھ کو یہ فخر ہمیشہ رہے گا. کہ اس سرزمین کے نونہالوں نے بدیشی حکمرانوں سے دیش کی دھرتی کو پاک کرانے میں پہل کی تھی.

یہاں رہنماؤں نے اس دیش کی آزادی کے لئے تختۂ دار کو چوما وہاں اُردو زبان کے شعراء نے اپنی پُرجوش نظموں سے دیش کے کونے کونے میں آزادی کا صور پھونکا. مولانا سراج. مولانا شوکت. مولانا اسمٰعیل کے کلام نے جوانوں کے خون کو گرمایا. مولانا مذرت. مولانا نور. حضرت ہشیار. علامہ حکیم احمد رشید زیبا نے پرجوش نظمیں پڑھکر آزادی کا پیغام دیا. ان کے بعد شاعرِ انقلاب کوثر قریشی. مولانا عبدالواحد فیض کاشمیری. جمیل میرٹھی. حفیظ میرٹھی. اور حقی حزیں نے بھی اپنے اشعار اور نظموں سے آزادی کی روح عوام میں ڈالکر عوام کو آزادی سے روشناس کرایا اور اب میرے سامنے نسیم میرٹھی کی کتاب ذراتِ لہو ہے. آپ لحنِ داودی میں پڑھتے ہیں. زبان میں بڑے تیکھے شعر فرماتے ہیں. میں اس کے ثبوت میں ان کے چند اشعار پیش کر رہا ہوں.

آئے یہاں میکدے میں کوئی شیخ محترم + پہلے تو ان سے ہاتھ ملانے کی بات ہے

دیکھیے کتنی سادگی سے شیخ کو اُجاگر کرنے کی ہمت فرمائی ہے. ملاحظہ کیجیے.

چلو میکشو یہی کے واعظ کی سن لیں + درِ میکدہ پر عبادت کی باتیں

فریب کھا کے مجھے پھر فریب کھانا ہے + سوال یہ ہے مرا ان سے دوستانہ ہے

کیا سادگی ہے کتنی لطافت ہے شعروں میں. اس لئے میری گذارش ہے کہ اہلِ ادب ان کی کاوشوں کو سراہ کر ان کے کمال اور محنت کی انہیں دادِ تحسین دیں گے.

حیراں کاشمیری

میری شاعری

:- میں جنگِ آزادی کے بانی شہر میرٹھ میں ۱۹۵۶ء میں پیدا ہوا۔ میرے گھر کا ماحول علم و ادب کے گوہر ہائے گرانمایہ سے مزین تھا۔ میری ابتدائی تعلیم کلام پاک کی تربیت کے ساتھ ساتھ اُردو کی تربیت کی گئی۔ اس کے بعد میں نے دنیاوی تعلیم میٹرک تک حاصل کی۔ ساتھ ساتھ ہی ٹیلرنگ کا کام بھی سیکھا۔ مجھے غزلیں اور فلمی گانے کا بہت شوق تھا۔ اکثر فنکشنوں میں حصہ لیتا رہا۔ البتہ نظیر میرٹھی (مرحوم) جو میرے دادا استاد ہوشیار میرٹھی کے چہیتے شاگرد تھے۔ خوب پڑھتے اور خوب کہتے تھے۔ انہوں نے مجھے شعر و سخن کی طرف راغب کیا۔ میں مصرع موزوں کرنے لگا اور دل و جان سے میں نے دن رات شاعروں کا کلام پڑھنے اور شعر کہنے میں لگا دیئے۔

اس کے بعد جب کچھ ٹوٹے پھوٹے شعر کہنے لگا تو میں حضرت جمیل میرٹھی کا شاگرد ہو گیا جو استاد حضرت ہوشیار کے شاگرد اور جانشین تھے۔ جن کے کلام کی چھاپ آج بھی دلوں پر نقش ہے۔ میرٹھ کے مشاعروں میں شرکت کرنے لگا۔ استاذ الشعراء نے میری ہمت افزائی فرمائی۔ اُن استادوں میں مجھے اگر کسی نے سب سے زیادہ نوازہ اور میری ہمت افزائی بے لاگ ہو کر کی وہ ہندوستان کے مشہور شاعر مصورِ فطرت شاعرِ انقلاب حضرت حیران کاشمیری کی ذاتِ گرامی ہے مجھے یہ بات کہنے میں بالکل عار نہیں ہے۔ رفتہ رفتہ میں ہندوستان کے بیشتر مشاعروں میں بلایا جانے لگا۔ ریڈیو والوں نے بھی مجھے نوازہ میری سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہی کہ میں ابھی پوری طرح ترقی کی منزلوں پر گامزن بھی نہ ہونے پایا تھا کہ میرے مربی مشفق استاد حضرت جمیل مجھ سے روٹھ گئے مگر خدا کا شکر ہے کہ وہ مجھے اس قابل کر گئے تھے کہ میں اپنے پیروں پر کھڑا ہوں غیر طرحی اور طرحی مشاعروں میں شرکت کرتا ہوں اور یہ سب کچھ میرے مربی مشفق استاد کا ہی طفیل ہے یہ کتابچہ جس میں میری کاوشات ہیں آپ کی نذر کر رہا ہوں۔ میں اگلے صفحہ پر استاد جمیل میرٹھی کے چند شعر مع تصویر کے پیش کر رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیے!۔

"گر قبول افتد زہے عزّ و شرف"۔

نسیم میرٹھی

اُٹھا لیا جسے جب چاہا بزمِ دُنیا سے ٭ قضا تو واقفِ آدابِ انجمن بھی نہیں
سُن کے شہرت مری مہمان نوازی کی جمیلؔ ٭ میرے گھر گردشِ ایام تلک آ پہنچی ہے

پیدائش ۱۹۲۳ء ۔ وفات ۲۸ جون ۱۹۷۹ء بروز جمعرات ایک بجے دوپہر

ہجوم حسرت و ارماں کے آگے کیا بساطِ دل ٭ اکیلا ہی سہی لیکن سجا رکھی ہے ایک محفل
فریب کھانے سے اتنا تو ہو گیا حاصل ٭ کہ تجربے کی ضرورت ہے دوستی کیلئے

اُستاد حضرت جمیل احمد جمیلؔ میرٹھی (مرحوم)، شاہ پیر تھن میرٹھ شہر

آل انڈیا مشاعرہ میں نسیم میرٹھی غزل پڑھتے ہوئے۔

جناب مشیر قادری

بہت ہی ملنسار اور نیک انسان تھے۔ میرے پیر بھائی ہونے کے ناطے مجھ سے بہت محبت کرتے تھے اور ہر آدمی سے خلوص سے پیش آتے تھے۔ یہی اُن کی زندگی کا خاص مقصد تھا۔ میں نے اُستاد جمیل میرٹھی کی زندگی میں بھی آپ سے مشورہ کیا اور استاد کے گذر جانے کے بعد بھی اکثر و بیشتر مشورہ کرتا رہا۔ آپ نے میرٹھ کے مشاعروں میں بہت نام کمایا اور تقریباً ۸ سال سے بمبئی کی فلمی دنیا سے وابستہ رہے۔ آپ نے کئی فلموں کیلئے گانے بھی لکھے ہیں جنہیں محمد رفیع، لتا منگیشکر، آشا بھوسلے، ہیمن کلیان پور، سدھا ملہوترہ نے گائے۔ آپکو بمبئی کا پانی راس نہ آنے کی وجہ سے پلیما ہوگیا پھر ٹی۔ بی ہوگئی۔ تقریباً ایک سال بیمار رہے اسی کشمکش میں ۹ اگست سنہ ۱۹۸۲ء بوقت ۹ بجے شب میرٹھ میں انتقال فرما گئے۔

(نسیم میرٹھی)

جناب محمد محسن

:- میرے بہت ہی عزیز دوست ہیں میرے اُن کے تعلقات قریب ۲۰ سال سے محبت کے ساتھ قائم ہیں مجھے آپ نے ادبی دُنیا سے وابستہ کرایا مجھے مشاعروں کے نام سے بہت بوریت ہوتی تھی۔ کہ فری میں کون رات کالی کرے۔ یہ انھیں کی جدوجہد ہے کہ مجھے برابر مشاعروں میں لیجاتے رہے اور شعر کہنے اور مطالعہ کرنے کے لئے فرماتے رہے۔ انھیں کی وجہ سے آج ادبی دُنیا میں میرا مقام ہے۔ مجھے شہر کی عظیم ہستیاں مشاعروں میں بلاتی ہیں اور شوق سے سنتی ہیں۔ اُسی محنت کا نتیجہ ہے کہ آج میں ایک کتاب "ذراتِ لہو" کے نام سے نکال رہا ہوں۔

(نسیم میرٹھی)

نسیم میرٹھی غزل کے شاعر ہیں۔ ان کی غزلوں میں وہ تمام خوبیاں ہیں، جو غزل کیلئے ضروری سمجھی جاتی ہیں، بندش کی چستی۔ اسلوب تشبیہہ۔ استعارہ یہ سب خوبیاں آپکی غزل میں موجود ہیں۔

(الف۔ آر فرشتی ایم اے (ہمدم ملت))

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد

تُو ہی ذاتِ واحد تُو ہی ذاتِ والا
تُو ہی سب سے برتر تُو ہی سب سے بالا

•

نعت شریف

یہاں بھی وہاں بھی سخی آپ ہوں گے
کہ محشر میں شافع نبی آپ ہوں گے

نعت شریف

یوں نام محمدؐ کا مرے دل پہ لکھا ہے
جیسے کہ گلستاں میں کوئی پھول کھلا ہے

دُنیا نے ستایا ہے مگر صبر کیا ہے
اُمّت کیلئے آپ نے ہر ظلم سہا ہے

جو حال محمدؐ کی جُدائی میں ہوا ہے
سب کچھ ہے خبر اُسکو وہ سب دیکھ رہا ہے

دوزخ کا عذاب اُس سے بہت دور رہیگا
جو شخص سدا صلّے علیٰ پڑھتا رہا ہے

دُنیا میں کسی شے سے محبّت نہیں مجھکو
اپنی تو جان و دل ہی محمدؐ پہ فدا ہے

ہر سُنّت محبوب الٰہی کا ہوں قائل
یہ بات نسیم آج بھی ایمان میرا ہے

نعت شریف

اُلفت کو ہر ایک دل میں بسایا ہے نبی نے
انسان کو انسان بنایا ہے نبی نے

وہ جادۂ توحید دِکھایا ہے نبی نے
خود ہم کو گناہوں سے بچایا ہے نبی نے

ہم کرتے ہیں پورے ترے احکام خدایا
ہم کو ترا فرمان سنایا ہے نبی نے

اللہ کی اُلفت کا سبق یاد رہے گا
وہ درسِ محبّت کا پڑھایا ہے نبی نے

دُنیا کے مٹانے سے کبھی مٹ نہیں سکتا
اسلام کو اس درجہ بڑھایا ہے نبی نے

اب آگے رہی بات نسیمؔ اپنے عمل پر
ہر پہلو عبادت کا بتایا ہے نبی نے

امام حسینؓ پر سلام

پھر کیسے بھول جاؤں گا عظمت حسین کی
سینے میں دل ہے دل میں محبّت حسین کی

رکھتی ہے مرتبہ وہ شہادت حسین کی
دونوں جہاں میں بڑھ گئی عزّت حسین کی

ہر شخص پر عیاں ہے صداقت حسین کی
کرتے ہیں لوگ دل سے محبّت حسین کی

اُس کی رضا کے واسطے قربان ہو گئے
یوں درس بن گئی ہے شہادت حسین کی

مومن کو زندگی کا سلیقہ سکھا دیا
کیا کم ہوئی ہے ہم پہ عنایت حسین کی

آلِ نبی تھے آپ کو یہ فخر کم نہیں
ہے سب پہ آشکار حقیقت حسین کی

حق کیلئے تو جان بھی دینا ثواب ہے
سمجھو نسیم کیا ہے ہدایت حسین کی

امام حسینؓ پر سلام

ہے نام دو جہان میں روشن حسین کا
شام و سحر مہکتا ہے گلشن حسین کا

بڑھ کر مجھے حسینؓ سے کچھ بھی نہیں عزیز
یہ مال و زر تو کیا ہے یہ تن من حسین کا

یہ ہی سُنا ہے ہم نے حقیقت بھی ہے یہی
دوزخ میں جائیگا جو ہے دشمن حسین کا

اُلفت نبیؐ کو کتنی تھی یہ اُس سے پوچھیے
جو شخص دیکھ پایا ہے بچپن حسین کا

بعدِ حضورؐ حشر میں حسرت ہے یہ نسیمؔ
آجائے کاش ہاتھ میں دامن حسین کا

غزل

دل تو جاتا ہی رہا جان پہ بھی قبضہ دیکھا
ہم نے اُلفت میں تری کچھ بھی نہ اپنا دیکھا

طور کو آگ لگی آپ بھی بے ہوش ہوئے
کیا تجلی کا وہاں آپ نے جلوہ دیکھا

نیند آنکھوں کی گئی چین بھی دل کا میرا
تجھ سے یہ دل کو لگانے کا نتیجہ دیکھا

جو بھی اُبھرا ہے وہیں اُسکو دبانا چاہا
ہم نے ہر دور میں اپنوں کا رویّہ دیکھا

کل جہاں حسن نے بہائے تھے ہزاروں دریا
آج ایک بوند ہی پانی کو ترستا دیکھا

کتنا مجبور ہے افلاس کے ہاتھوں دیکھو
چند سکوں ہی میں انسان کو بکتا دیکھا

یوں تو دُنیا میں ہر اک شے پہ گرانی ہے بہت
خونِ انساں ہی ہر دور میں سستا دیکھا

جب بھی انسان کو بڑھ جاتی ہے دولت کی ہوس
ہم نے دریا میں بھی رہ کر اُسے پیاسا دیکھا

پیدا نفرت جو کیا کرتے ہیں بندوں میں نسیم
بارہا اُن کو تو ذِلّت ہی سے مرتا دیکھا

-:○:-

شعورِ التجا کوئی سکھا دے
مجھے آتا نہیں فریاد کرنا

غزل

وہ کیوں نہ شورِ تلاطم سے بدحواس رہے
جو ساری عمر کناروں کے آس پاس رہے

شبِ فراق تسلّی بہت ضروری ہے
جو تو نہیں تری تصویر میرے پاس رہے

ہر ایک بات جُدائی میں ناگوار ہے کیوں
اُداس رہنے کی باتوں پہ دل اُداس رہے

تمہاری تلخ مزاجی نے دل ہی توڑ دیا
کوئی اُمید کا پہلو ملے تو آس رہے

اِسی چمن میں ہماری بھی سادگی دیکھی
نسیمؔ ہو کے بہاروں سے ناشناس رہے

غزل

محبّت میں کیجیے محبت کی باتیں کہاں لیکے بیٹھے شکایت کی باتیں

سنی بھی نہ جائیں کہی بھی نہ جائیں مصیبت زدہ سے مصیبت کی باتیں

ہمیں نے تو بدلا ہے دورِ زمانہ ہمیں سے لگائیں نصیحت کی باتیں

تمہیں پاسِ اُلفت ہوا ہے نہ ہوگا چلو ہم سکھا دیں مروت کی باتیں

گنہگار دل خود لرزنے لگا ہے خدارا نہ کیجیے قیامت کی باتیں

وہ خود سنتے سنتے تڑپ کیوں نہ جاتے کہانی میں رکھ دیں حقیقت کی باتیں

چلو مے کشو پی کے واعظ کی سن لیں درِ میکدہ پر عبادت کی باتیں

محبت میں مجھ سے تسنیمؔ اُن کا کہنا
تجھی سے نہ آئیں محبت کی باتیں

غزل

نہ غم کو غم نہ خوشی کو کبھی خوشی سمجھے
یہ باتیں عارضی ہوتی ہیں عارضی سمجھے

غرورِ حسن کو ہم شانِ دلبری سمجھے
ہماری سادگی دیکھو کہ سادگی سمجھے

مآلِ عشق سمجھنے کی کس کو فرصت ہے
سکوں نصیب اگر ہو تو آدمی سمجھے

ہمارا جس نے بھی ہنس کر مزاج پوچھ لیا
وہ غمزدہ ہے اُسے اپنا دوست ہی سمجھے

نہ دوستوں کی کمی ہے نہ دوستی کی نسیم
سمجھنے والا بشرطِ کہ دوستی سمجھے

-:٥:-

غزل

بزمِ عدو میں مجھ کو بُلانے کی بات ہے
یہ اُن کا التفات ستانے کی بات ہے

کرتے ہیں میرا ذکر کبھی دشمن کے کان میں
یہ بھی تو میرا خون جلانے کی بات ہے

راہِ وفا میں عشق کی خودداریاں کہاں
بے بات بھی تو اُن کو منانے کی بات ہے

محفل میں میرا ذکر جو آیا تو کیا ہوا
تم کو یہ کوئی نظریں جھکانے کی بات ہے

آئے ہیں میکدے میں کوئی شیخ محترم
پہلے تو ان سے ہاتھ مِلانے کی بات ہے

ہم جانتے ہیں حملۂ برقِ تپاں کا راز
گلشن میں آشیانہ بنانے کی بات ہے

پوچھا نسیم آج کدھر کی ہوا چلی
یہ بِن بُلائے بزم میں آنے کی بات ہے

غزل

جب یہ سمجھ لیا تو شکایت رہی کہاں
اُن کی خوشی کے سامنے میری خوشی کہاں

در تیرا مل گیا تو تلاش اور کی کہاں
اب تک یہ جستجو تھی کریں بندگی کہاں

میں جا رہا ہوں اور ابھی تک پتہ نہیں
لے جا رہی ہے مجھکو مری بیخودی کہاں

اس دور میں بھی راز چھپاتا نہیں کوئی
ڈوبے گی دیکھے مجھکو مری سادگی کہاں

پیتے ہیں وہ کہاں جو ترسنے میں لطف ہے
ساقی کے ساتھ رہ کے بھلا تشنگی کہاں

تاریکیٔ فراق کا عالم نہ پوچھیے
جلتے تو ہیں چراغ مگر روشنی کہاں

اندازِ عاشقی نے مزہ کھو دیا نسیم
دل ہی چلا گیا تو کوئی دل لگی کہاں

غزل

جس سے کچھ حاصل نہ ہو ایسی تمنا کیا کرے
ڈوبتے دم کوئی ساحل کا نظارہ کیا کرے

ذوقِ سجدہ جب نہ ہو کوئی سہارا کیا کرے
سر نہیں جھکتا تو پھر نقشِ کفِ پا کیا کرے

جب نہیں پہچانتے بے پردگی کا کیا ملول
وہ یہ کہتے ہیں کوئی غیروں سے پردا کیا کرے

خود مجھے اپنی تباہی پر ہنسی آنے لگی
اب کسی کو کیا غرض ہے کوئی صدمہ کیا کرے

سب سمجھتی ہے یہ دُنیا اپنی پاگل تو نہیں
خود جو رسوائے جہاں ہو اُس کو رسوا کیا کرے

اب تو شامل ہو گیا ہے جذبۂ بے اختیار
اشک رُکتے ہی نہیں تو رونے والا کیا کرے

ایک رہ رو جس کو منزل کا پتہ خود بھی نہیں
کارواں کے ساتھ چلنے کا ارادہ کیا کرے

ہر کسی کو گردشِ ایام نے گھیرا نسیمؔ
اب سہارے کیا کریں اور بے سہارا کیا کرے

غزل

ہمارے دعوے بہت آج معتبر نکلے
بڑے فریب بھرے اپنے راہبر نکلے

زمیں بھی کانپی فلک بار بار تھرآیا
ترے یہ ظلم کے مارے جدھر جدھر نکلے

تو اپنے آپکو مظلوم کہتا پھرتا ہے
ابھی تو ہاتھ ترے خوں میں تربتر نکلے

ابھی تو جینا مقدر میں ہے مرے اے دوست
وگرنہ بچ کے کہاں تک اِدھر اُدھر نکلے

اُٹھا کے پھر وہیں صیاد کاٹ دیتا ہے
چمن میں جب بھی کسی گھر میں بال و پر نکلے

دوا کے بدلے ہمیں آج زہر دے ڈالا
نسیم اپنے ستمگر ہی چارہ گر نکلے

غزل

ہے جستجو تو مجھے تیرے آستانے کی
نہ ہو نصیب مگر بات ہے ٹھکانے کی

کسی کے حسن کو پردہ بڑا ضروری تھا
نقاب اٹھی تو نظر کھا گئی زمانے کی

میرے خیال پہ بجلی کوئی گرا نہ سکا
بلندیاں نہ گھٹیں میرے آشیانے کی

ہر ایک حال میں لازم ہیں شکر کے سجدے
خلاف ہو کے موافق ہوا زمانے کی

فنا کے بعد بلندی نصیب ہوتی ہے
فلک سے جا ہی ملی خاک آشیانے کی

نسیم دیکھئے انجام عشق کیا نکلے
اٹھی ہے میری طرف اب نظر زمانے کی

غزل

گھبرا کے دل نے شکوۂ بیداد تو کیا
پہلو بدل بدل کے تمہیں یاد تو کیا

صیّاد اس میں تیری عنایت نہیں ہے کچھ
تقدیر نے کرایا ہے آزاد تو کیا

یہ اور بات یاد میں تاثیر ہی نہ تھی
دل نے شبِ فراق تمہیں یاد تو کیا

اے دل تو فکرِ حملۂ برقِ تپاں نہ کر
یہ ہی بہت ہے آشیاں آباد تو کیا

میری بھی یاد آ ہی گئی ذکرِ غیر پر
یونہی سہی کسی نے مجھے یاد تو کیا

آخر بچا لیا ہے کسی کی نگاہ نے
دل کو ذرا سی دیر کو ناشاد تو کیا

مشقِ ستم کے واسطے میرے سوا تھا کون
اس نے نسیم یوں بھی مجھے یاد تو کیا

غزل

مجھے تو بتا دو کہاں جا رہے ہو
تمہیں ہو مرے راز داں جا رہے ہو

بنایا تھا چُن چُن کے ایک ایک تنکا
کہاں چھوڑ کر آشیاں جا رہے ہو

کمی بھی نہ آئی مرے دردِ دل میں
ابھی سے مرے مہرباں جا رہے ہو

تمہارے لئے اجنبی ہے یہ دُنیا
بِلا سوچے سمجھے کہاں جا رہے ہو

غمِ دل سنانے کو تکلیف دی تھی
سُنی تک نہیں داستاں جا رہے ہو

تمہارا بہانہ بھی تسلیم لیکن
سمجھ تو رہا ہوں جہاں جا رہے ہو

مرے دل سے لے لو محبت کی شمعیں
اندھیرے ملیں گے جہاں جا رہے ہو

نسیمؔ اب محبّت کا دامن نہ چھوڑو
محبّت ہوئی جب گراں جا رہے ہو

غزل

وہ جو ہر دکھ سہہ گئے اپنے کو حق پر دیکھکر
آخرش ڈرنے لگے اُن کو ستمگر دیکھکر

یوں سرِ محفل تری قربت کا منظر دیکھکر
جلنے والے جل گئے میرا مقدر دیکھکر

بے وفا سمجھا تھا لیکن یہ نہ تھی مجھکو اُمید
دیکھتا ہی رہ گیا میں دستِ خنجر دیکھکر

تم مجھے کچھ بھی کہو میں ایسا دیوانہ نہیں
تم تو ناحق ڈر گئے ہاتھوں میں پتھر دیکھکر

بڑھ گیا گرداب کی جانب میں کشتی چھوڑ کر
جوشِ دل میں آگیا جوشِ سمندر دیکھکر

میری مجبوری تو دیکھو لوٹ کر آنا پڑا
اپنی حالت دیکھکر کچھ اُن کے تیور دیکھکر

عشق کے جذبات پر قابو نہیں ہوتا نسیم
دل تڑپ کر رہ گیا اندازِ دلبر دیکھکر

غزل

دُنیا نے یوں ستایا کہ ہم دیکھتے رہے
سمجھے نہیں ستم کو ستم دیکھتے رہے

دیدار بھی تھا اپنے ارادوں پہ منحصر
بھٹکے نہیں تھے اپنے قدم دیکھتے رہے

تم ہو کہ غم ہی پاس کو آیا نہیں کبھی
ہم ہیں کہ ساری عمر الم دیکھتے رہے

پھرتا رہا سفینہ کنارے کے آس پاس
طوفان کو تو دور سے ہم دیکھتے رہے

کن مشکلوں میں ہم نے گذاری ہے زندگی
ایک ایک قدم پہ تازہ ستم دیکھتے رہے

ہم کو شبِ فراق کوئی مشغلہ نہ تھا
بیٹھے چراغِ شامِ الم دیکھتے رہے

دُنیا میں عاشقی کا بڑا فیض ہے تسیم
دل دے کے ہم بھی لذّتِ غم دیکھتے رہے

غزل

قیدِ قفس میں یادِ گلستاں نہ کیجیے
دل کو تو حوصلوں سے گریزاں نہ کیجیے

مجبوریاں تو دیکھیے عہدِ وفا کے بعد
یہ بھی نہ کہہ سکے کہ پریشاں نہ کیجیے

جذبات نے لگا لیا ارمان کا ہجوم
غیرت کا مشورہ ہے کہ ارماں نہ کیجیے

میری بساط کیا ہے جو احساں اُتار دوں
احساں جتا جتا کے پشیماں نہ کیجیے

کرنا پڑے گا وقت بدلنے کا انتظار
گھبرا کے غم سے موت کا ساماں نہ کیجیے

جب تک جنوں کی دست درازی ہے برقرار
خود بھی خیالِ جیب و گریباں نہ کیجیے

مانا جفائیں حسن کی فطرت میں ہیں مگر
اپنے نسیم کو تو پریشاں نہ کیجیے

غزل

محبت میں اب وہ مقام آگیا ہے
کہ اُن کا بھی مجھ تک سلام آگیا ہے

کسی کو بلایا کسی کو پکارا
مگر لب پہ تیرا ہی نام آگیا ہے

ارے او محبت میں جاں دینے والے
ترا جاں نثاروں میں نام آگیا ہے

بہت کچھ سُنیں میں نے واعظ کی باتیں
بہت کچھ شعورِ کلام آگیا ہے

مِلا جام لیکن مرے ذہن میں خود
سوالِ حلال و حرام آگیا ہے

بڑھے جا رہی ہے مرے دل کی دھڑکن
مصیبت کا کوئی مقام آگیا ہے

نسیمؔ اپنی توبہ لگی ڈگمگانے
مرے سامنے جب بھی جام آگیا ہے

غزل

اُن کے خلاف کیوں ہیں یہ ہم جانتے نہیں
جن لذتوں کو شیخ حرم جانتے نہیں
اُٹھیں گے کس طرف کو قدم جانتے نہیں
مرنا ہے اور راہِ عدم جانتے نہیں

وہ ہی نہیں خوشی کی حقیقت سے آشنا
جو لوگ قدرِ نعمتِ غم جانتے نہیں

یہ بھی ہے واقعہ کہ الم سے نہیں نجات
یہ بھی ہے سچ کہ وجہِ الم جانتے نہیں

تیری نگاہِ ناز سے بچنا محال ہے
تیری نگاہِ ناز کو ہم جانتے ہیں

اوروں کی طرح ہم نے بھی سر کو جھکا دیا
اور احترامِ نقشِ قدم جانتے نہیں

ہم کو کسی نے پیار سے دیکھا نہیں نسیم
ہم پیار کو خدا کی قسم جانتے نہیں

غزل

خوبصورت سا کوئی قاتل ملے جب بات ہے
موت بھی حسبِ مذاقِ دل ملے جب بات ہے

دل کو ایسا جذبۂ کامل ملے جب بات ہے
ہم جہاں چاہیں وہیں منزل ملے جب بات ہے

عشق میں دل بھی کسی قابل ملے جب بات ہے
حسبِ منزل رہ روِ منزل ملے جب بات ہے

نظریں مل جانا ہی تکمیلِ محبت تو نہیں
بات تو دل کی ہے دل سے دل ملے جب بات ہے

عشق میں نظارۂ گلشن سے کچھ حاصل نہیں
دیکھنے کو یار کی محفل ملے جب بات ہے

بحرِ غم کو جب ملی ساحل طلب کشتی ملی
بے نیازِ حسرتِ ساحل ملے جب بات ہے

ہر کسی کو داستانِ غم سنائیں کیا نسیم
بات کرنے کے کوئی قابل ملے جب بات ہے

غزل

ترے دل کے بارے میں کیا کہہ رہا ہوں
میں پتھر کو ایک آئینہ کہہ رہا ہوں

تمہاری جفا کو وفا کہہ رہا ہوں
کلیجہ تو دیکھو کہ کیا کہہ رہا ہوں

تمہارا ابھی کچھ ہے وہ میرا ابھی کچھ ہے
میں جس آدمی کو برا کہہ رہا ہوں

مرے ذکر الفت پہ تیور نہ بدلو
تمہیں بھی تو اہل وفا کہہ رہا ہوں

یہ مانا اشارہ تکلم نہیں ہے
سمجھ تو رہے ہو کہ کیا کہہ رہا ہوں

نہ دنیا کسی کی نہ دنیا کا کوئی
میں گذرا ہوا واقعہ کہہ رہا ہوں

ندامت سے بڑھ کر سزا کیا ملے گی
میں اپنی خطا کو خطا کہہ رہا ہوں

نسیم اس جوانی پہ کس کو یقیں ہے
میں خود چار دن کی ہوا کہہ رہا ہوں

غزل

محبت میں یہ دل کا درد بھی کس دل سے ہوتا ہے
کہ اپنا ہاتھ سینے سے جدا مشکل سے ہوتا ہے

سرِ محفل یہ دیکھا ہے وہی دو گھونٹ کو ترسے
کہ جس کا دوستانہ ساقیٔ محفل سے ہوتا ہے

جھکا کر سر گذر جاتے ہیں ہم شوقِ شہادت میں
گذرنا جب ہمارا کوچۂ قاتل سے ہوتا ہے

یہ اُن کا ذکر ہے جو دیکھ کر پانی کو ڈرتے ہیں
سکونِ دل اُنہیں بھی سبزۂ ساحل سے ہوتا ہے

وہ خود بھی ٹھوکریں کھا کر پہنچ جاتا ہے منزل پر
کہ جس کا اختلاف ایک رہبرِ کامل سے ہوتا ہے

ابھی تک ہوش قائم ہیں مرے جوشِ محبت میں
جنونِ عشق پیدا کونسی منزل سے ہوتا ہے

نسیمؔ اتنی مروت آج بھی باقی ہے آنکھوں میں
گلہ کچھ دوستوں کے ظلم کا مشکل سے ہوتا ہے

غزل

وفا کا ترانہ تو گائے چلا جا
محبّت کو حاصل بنائے چلا جا

محبّت میں ہر غم اٹھائے چلا جا
تو اُن کے لئے مسکرائے چلا جا

کبھی تو ملے گی محبّت کی منزل
قدم آگے بڑھائے چلا جا

سبق یہ ملا ہے محبّت میں مجھ کو
جو روٹھے ہیں اُن کو منائے چلا جا

خوشی تجھ کو شاید میسّر نہیں ہے
تو ہر غم سے رشتہ بڑھائے چلا جا

نگاہیں ملیں گی تو دل بھی ملے گا
نظر سے نظر کو ملائے چلا جا

نسیمؔ اپنا مقصد ہے اُس کی عبادت
تو سجدے میں سر کو جھکائے چلا جا

غزل

مری اُن سے جب بھی ملاقات ہو گی
نہ میں کہہ سکوں گا نہ کچھ بات ہو گی

خدا جانتا ہے کہ تجھ سے بچھڑ کر
کہاں دن کٹے گا کہاں رات ہو گی

مجھے کیا خبر تھی کہ محفل میں تیری
زباں کھولنا بھی بری بات ہو گی

محبّت میں ترکِ محبّت کا مطلب
سمجھتا ہوں تو ہیں جذبات ہو گی

ترے گیسوؤں میں جو اُلجھا رہے گا
اُسے کیا خبر ہے کہ کب رات ہو گی

کہو کیسے عرضِ تمنّا کرو گے
نسیم اُن سے جب بھی ملاقات ہو گی

غزل

نہیں بے حجابی گوارا نہیں ہے
ترستی ہیں نظریں نظارا نہیں ہے

تمہاری جدائی گوارا نہیں ہے
مقدر پہ لیکن اجارا نہیں ہے

بڑی مصلحت ہے مرے قہقہوں میں
مرا غم ابھی آشکارا نہیں ہے

پریشانیاں دل کی بڑھتی رہی ہیں
تجھے دل سے جب تک پکارا نہیں ہے

ترے آستانے سے دُنیا کی جانب
مجھے دیکھنا بھی گوارا نہیں ہے

بہت لوگ ڈوبے کنارے پہ آکر
کنارے کا مطلب کنارا نہیں ہے

تمہارے سوا ہم کسی کے نہیں تھے
نسیم آج کوئی ہمارا نہیں ہے

غزل

نظر اس نظر سے ملائی تو ہوتی
یونہی بات بنتی بنائی تو ہوتی

کبھی شمعِ الفت جلائی تو ہوتی
محبت کی لذت اٹھائی تو ہوتی

کسی دن انہیں داستانِ محبت
کہانی بنا کر سنائی تو ہوتی

نگاہیں چرا کر اگر تم گذرتے
مرے دل میں پیدا برائی تو ہوتی

روا داریاں تک بھی برتیں نہ تم نے
اگر خود نہ پیتے پلائی تو ہوتی

مری طرح تم بھی محبت جو کرتے
تمہیں بھی مری یاد آئی تو ہوتی

زمانے کی حالت یہ خاموش یوں ہوں
برا جس کو کہتا برائی تو ہوتی

نگاہیں ملانا تو مشکل نہیں تھا
حیادار سے بے حیائی تو ہوتی

فسانہ شبِ غم کا انکو سناتا
مگر میری اُن تک رسائی تو ہوتی

نسیم اسکا دیدار مشکل ہے لیکن
خدا سے کبھی لو لگائی تو ہوتی

غزل

نقابِ رُخ اٹھایا ہے تو دیکھو گے ادھر کب تک
خدا جانے اٹھاؤ گے حجاباتِ نظر کب تک

یہ تیری دین ہے لیکن مجھے اتنا تو سمجھا دے
امانت ہے میرے سینے میں یہ دردِ جگر کب تک

خبر سب کچھ ہے تم کو پھر بھی تم سے پوچھنا یہ ہے
مرے حالِ پریشاں سے رہو گے بے خبر کب تک

بفیضِ تنگ دستی میں بڑا نادم سا رہتا ہوں
جہاں کے ساتھ رہ کر ہو سکے گی یوں بسر کب تک

مناسب ہے ہمیں اب بیچ کے پردے ہٹا دینا
رہو گے تم اُدھر کب تک رہیں گے ہم اِدھر کب تک

میں دل سے اور دل مجھ سے یہ باہم پوچھ لیتے ہیں
کچھ اندازہ ہوا ہو گی شبِ غم کی سحر کب تک

نسیم اتنی گذارش ہے مجھے اپنے مقدر سے
ٹھکانے سے لگا دے یوں پھروں گا دربدر کب تک

غزل

جہاں کا ہر ایک غم نہاں ہو گیا ہے
مگر دل بہت ناتواں ہو گیا ہے

اگر رازِ اُلفت عیاں ہو گیا ہے
سمجھ لو مخالف جہاں ہو گیا ہے

سرِ راہ بھی اب تو پیتا چلوں گا
کہ ناصح مرا رازداں ہو گیا ہے

چمن میں ہی رکھا ہے لا کر قفس کو
یہ صیّاد کیوں مہرباں ہو گیا ہے

بتاتا نہیں باغباں سے جو پوچھو
کہ ویران کیوں گلستاں ہو گیا ہے

کسی سے بھی ہنس کر نہ تم بات کرنا
میرا دل بہت بدگماں ہو گیا ہے

عقیدت سے میں نے جہاں سر جھکایا
یقیناً ترا آستاں ہو گیا ہے

یہ کہکر سرِ بزم چلمن گرا لی
سُنا ہے نسیم اب جواں ہو گیا ہے

غزل

کیا کہوں میں آج کا کردارِ انساں دیکھکر
خود پریشاں ہوں زمانے کو پریشاں دیکھکر

مجھ کو جذباتِ محبت پر ابھی قابو نہیں
دل تڑپ اٹھا تری زلفِ پریشاں دیکھکر

میں محبت میں کبھی رسوائی کا قائل نہیں
کام کر دستِ جنوں جیب و گریباں دیکھکر

آج سمجھا ہوں میں اپنی عظمتِ دیوانگی
خیر مقدم کو اٹھے ہیں اہلِ زنداں دیکھکر

اتنا سُنکر اور بھی میری پریشانی بڑھی
وہ پریشاں ہیں مِرا حالِ پریشاں دیکھکر

تم چمن میں آ گئے تو پھول بھی کھِلنے لگے
تم کو غنچہ ہی پڑا جانِ گلستاں دیکھکر

کیسا خودداری نے دم توڑا بُرے ایام میں
دل کو لالچ آ گیا راحت کا ساماں دیکھکر

وہ خلوصِ دائمی کس کو میسّر ہے نسیم
بات بھی کرتا ہے اب انساں کو انساں دیکھکر

غزل

مجھے رہ رہ کے تم برباد کرنا
سمجھ کر سوچ کر بے داد کرنا

زمانے سے نشاں میرا مٹادو
زمانے بھر کو پھر تم شاد کرنا

نوازش جس نے کی میری جبیں پر
اُسی پتھر کو اب تک یاد کرنا

دمِ رخصت یہ کہکر چل دیئے وہ
تم اب بیٹھے خدا کو یاد کرنا

زکاتِ حسن مجھ سے پوچھتے ہو
کسی ناشاد دل کا شاد کرنا

شعورِ التجا کوئی سکھادے
مجھے آتا نہیں فریاد کرنا

نسیم بادِ وفا کے دل میں رہ کر
تمہیں لازم نہیں برباد کرنا

غزل

اتنی جھجک ہے اب بھی اُدھر دیکھنے کے بعد
کرتا ہوں بات اُن کی نظر دیکھنے کے بعد

سو بار سوچا اُن سے شکایت کروں گا میں
کھلتی نہیں زبان مگر دیکھنے کے بعد

تنی شب فراق میں تاریکیاں بڑھیں
لگتی ہے چوند نور سحر دیکھنے کے بعد

موسیٰ کیطرح شوقِ تجلی ہمیں بھی ہے
انجام دیکھنا ہے مگر دیکھنے کے بعد

نظارۂ جمال کی اللہ رے محویت!
ہٹتی نہیں نگاہ اُدھر دیکھنے کے بعد

میری زبان بند ہے ہنگام..... بیکسی
روتے ہیں پھر بھی لوگ ادھر دیکھنے کے بعد

وہ ہی مرے جنون کی عظمت بڑھائیں گے
پتھر جو پھینکتے ہیں ادھر دیکھنے کے بعد

ایسے گذر رہی ہے شبِ ہجر میں تنیم
زندہ نہ رہ سکونگا سحر دیکھنے کے بعد

غزل

اب سوز ہے نہ ساز دلِ بیقرار میں
تصویر بن گیا ہے ترے انتظار میں

میں وہ خزاں نصیب ہوں اس لالہ زار میں
ملتا نہیں ہے چین بھی فصلِ بہار میں

اُنکی نظر سے تڑپیں کچھ اس طرح بجلیاں
ہوش و خرد کو پھونک دیا ایک وار میں

زینت بڑھاتے اور بھی ہم اُن کے عشق کی
جو مبتلا نہ ہوتے غمِ روزگار میں

ترکِ وفا کے بعد ترا نام بھی نہ لوں
یہ بات تو نہیں ہے مرے اختیار میں

جس کو بجھا سکیں گے نہ اب تیرے اشک بھی
وہ آگ لگ چکی ہے دلِ بیقرار میں

یہ کیا کہ تو ہے پاس مگر یہ دلِ نسیم
پھر بھی تڑپ رہا ہے ترے انتظار میں

غزل

دل سلامت ہے تو مل جائیں گے اصنام بہت
آتے ہیں اب بھی مرے نام تو پیغام بہت

نام جب اُن کا زباں پر ہے سحر شام بہت
اس لئے میں بھی جہاں میں ہوا بد نام بہت

یاد جب اُنکی ستاتی ہے سرِ شام بہت
دل تڑپ جاتا ہے اُٹھ جاتے ہیں ہنگام بہت

جام و مینا کی نہ دے کوئی بھی دعوت مجھ کو
میں نے تو اُن کی نگاہوں سے پیئے جام بہت

ایک دل والا بھلا خود کو سنبھالے کیسے
حُسن جب سامنے آتا ہے سحر شام بہت

میں رہِ عشق میں تھک کر نہیں بیٹھا ہوں نسیم
پیچھا کرتی ہی رہی گردشِ ایام بہت

غزل

صدمے ہی دوستوں سے اُٹھاتا رہا سدا
پھر بھی اُنہیں گلے سے لگاتا رہا سدا

دُنیا سے جھوٹی قسمیں جو کھاتا رہا سدا
اپنے ہی خود فریب میں آتا رہا سدا

یہ اور بات ہے کہ اُجالا نہ ہو سکا
میں شمعِ آرزو تو جلاتا رہا سدا

کوئی خوشی نہیں ہے مقدر میں کیا کروں
آنکھوں سے میں تو اشک بہاتا رہا سدا

شاید غریب خانے کی قسمت بدل ہی جائے
اِس آرزو میں گھر کو سجاتا رہا سدا

قربت اُسے ملے گی یقیناً حبیب کی
جو اُس کے در پہ سر کو جھکاتا رہا سدا

وہ چیز ہے گناہ حقیقت میں اے نسیم
اپنے ہی دل سے آنکھ چراتا رہا سدا

غزل

یہ دل کی آرزو ہے رہوں جس مقام پر
موت و حیات چاہیئے تیرے ہی نام پر

ہوتی ہے بدگمانی ہر اک خاص و عام پر
اتنے فریب کھائے محبّت کے نام پر

وہ ایک جام آپ کی نظروں سے کیا پیا
سو رنجشیں بڑھی ہیں اُسی ایک جام پر

آدابِ میکدہ کا مجھی کو خیال ہے
الزام آرہا ہے مجھی تشنہ کام پر

اس اپنے حوصلہ پہ تعجب مجھے بھی ہے
چکّر سے آرہے تھے مجھے گام گام پر

انسان ایک نگاہ اگر خود پہ ڈال لے
اُنگلی اُٹھا سکے نہ زمانے کے نام پر

اب پھر ترے خلوص نے مجبور کر دیا
مائل ہے پھر نسیم پیام و سلام پر

غزل

جو تیری محبت کا حقدار ہو گا
جدا اُس کا دُنیا سے معیار ہو گا

مجھے تیرا ملنا تو دشوار ہو گا
مگر جستجو میں ترا پیار ہو گا

وہی راہِ حق کا طلب گار ہو گا
جو ہنستے ہوئے ہی سردار ہو گا

وہ نظروں میں دُنیا کو لاتا نہیں ہے
جو اُلفت میں تیری گرفتار ہو گا

نگاہِ کرم جس پہ اُن کی رہے گی
وہ انساں محبت میں سرشار ہو گا

ترے در سے اُٹھ کر نہ جاؤں گا جب تک
مجھے تیرا جب تک نہ دیدار ہو گا

دکھا دے گا خود آنے والا زمانہ
عجب حسن والوں کا کردار ہو گا

خلوص و محبت اُسی میں ملیں گے
جو انساں کا انساں مددگار ہو گا

بدلتی رہیں جس سے تیری نگاہیں
وہ اچھا ہی ہو گا نہ بیمار ہو گا

جو بہکے گا تو اُنکی نظروں سے پی کر
نسیم آج پھر تو گنہگار ہو گا
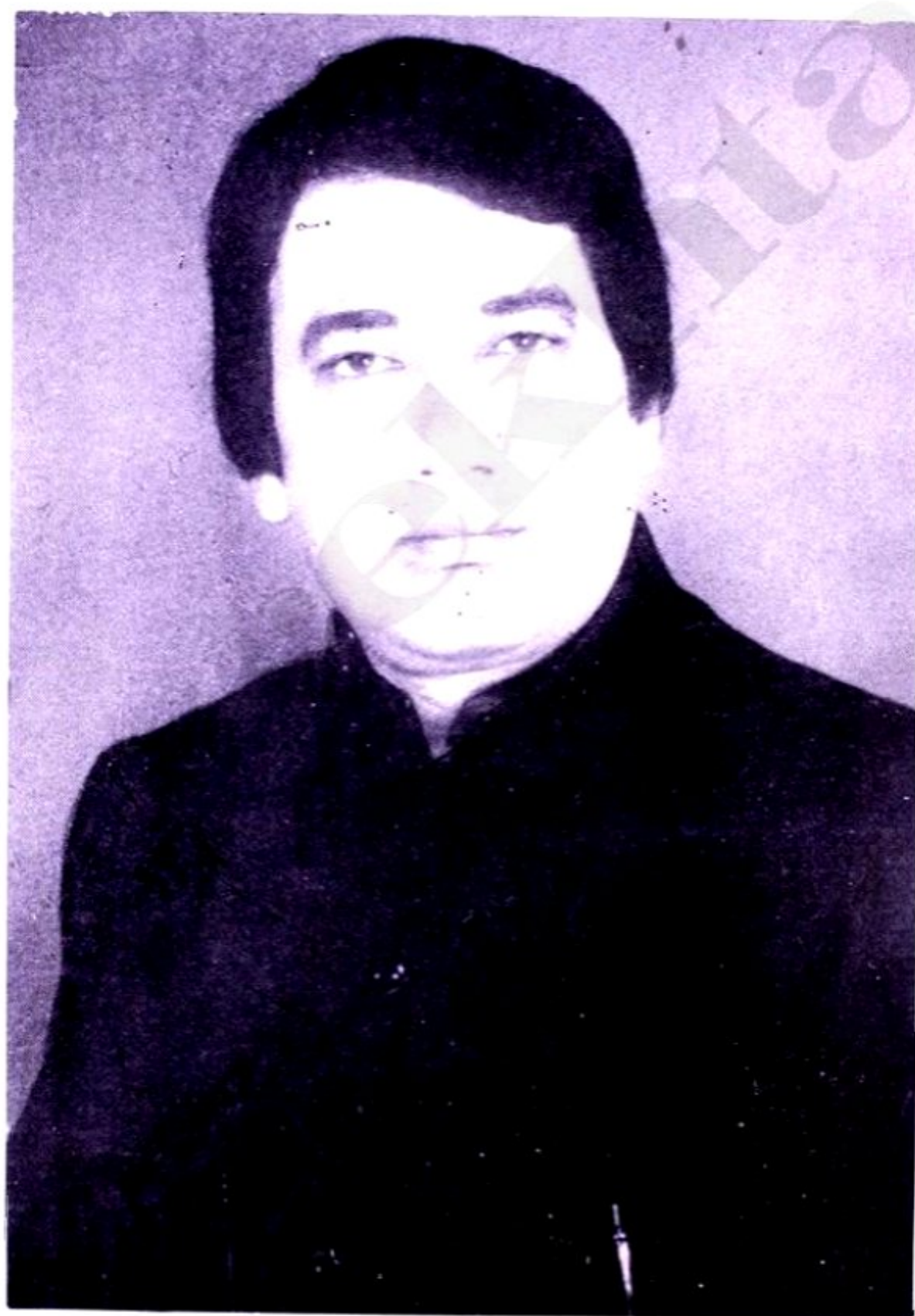
شمالی ہند کے مشہور میرٹھ میلہ نوچندی کے وسیع پنڈال
میں انڈو پاک عظیم الشان مشاعرہ میں نسیم میرٹھی غزل پڑھتے ہوئے
۱۲ر اپریل ۸۶ء

غزل

جو بھی تیرے قریب آتا ہے
دونو عالم کو بھول جاتا ہے

ایک ایسا مقام آتا ہے
دامنِ صبر چھوٹ جاتا ہے

حالِ غم جب کوئی سُناتا ہے
دل مرا بیٹھ بیٹھ جاتا ہے

ہوش اپنا بھی کچھ نہیں رہتا
جب نظر سے کوئی پلاتا ہے

جب نظر مجھ سے پھیر لیتے ہو
بد نصیبی کا دور آتا ہے

ساری خوشیاں اُسے میسّر ہیں
تیرا غم جس کو راس آتا ہے

یادِ محبوب کی نسیم نہ پوچھ
وعدہ کرتا ہے بھول جاتا ہے

غزل

ایک اونچا محل بنانے سے   دشمنی ہو گئی زمانے سے

لاکھ ہم پر ستم کرے دُنیا   عشق مٹتا نہیں مٹانے سے

تم سمجھتے نہیں مرے دل پر   کیا گزرتی ہے رُوٹھ جانے سے

مجھ سے مِلکر اُنہیں خوشی ہو گی   بچتے کیوں ہیں قریب آنے سے

تجھ سے اُلفت کا کیا ٹھکانہ ہے   میل کرنا پڑا زمانے سے

آج تک بھی خبر نہیں اُسکو   جس پہ مرتا ہوں ایک زمانے سے

آگ لگنی ہے آگ لگ جائے   دور بیٹھا ہوں آشیانے سے

اُن کی جانب نسیم نے دیکھا

بڑھ گئی بات مُسکرانے سے

غزل

آپ سے جب جُدا ہو گئی
زندگی ایک سزا ہو گئی

اُن کو ہم سے جُدا کر دیا
دوستوں کی ادا ہو گئی

اک ذرا سی خطا پر مری
زندگی کیا سے کیا ہو گئی

اُن سے ملکر بچھڑنا میرا
بیکسی انتہا ہو گئی

اک ترے روٹھ جانے کے بعد
بس قیامت بپا ہو گئی

وہ تبسّم سے جب بھی ملا
اپنی دُنیا ہوا ہو گئی

اب محبّت کے ہاتھوں نسیمؔ
دوستی اِنتہا ہو گئی

غزل

اگر دل میں کوئی تمنا نہیں ہے
یہ مرنا ہے اے دوست جینا نہیں ہے

اسی کیلئے شعر کہتا ہوں اکثر
وہ جانِ غزل جس کو دیکھا نہیں

وہ دل جس کو حاصل نہیں دردِ انساں
حقیقت میں پتھر ہے شیشہ نہیں ہے

میں بارِ محبت اٹھا تو رہا ہوں
مگر دل میں کوئی تمنا نہیں ہے

مقدر سے اپنے شکایت ہے مجھکو
مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں ہے

ارادہ تو ہے ترکِ الفت کا واعظ
مگر اپنے دل پر بھروسہ نہیں ہے

نسیم آج سمجھا ہوں برباد ہو کر
کہ دل کا لگانا تماشہ نہیں ہے

غزل

یوں تو انسان کو دلدل سے نکلتے دیکھا
جب نگاہوں سے گرا پھر نہ سنبھلتے دیکھا

ہم وُہی رسمِ محبت کی قبا پہنے ہیں
دُنیا بدلی ہے کبھی ہم کو بدلتے دیکھا

ہم نے دیکھا ہے بناوٹ کا ترا رونا بھی
ایک بھی اشک نہ آنکھوں سے نکلتے دیکھا

وہ بشر وقت سے پیچھے کبھی رہتا ہی نہیں
وقت کے ساتھ جسے رنگ بدلتے دیکھا

ایسے انساں کو کہیں پینے کا حق بھی ہے نسیم
ایک دو گھونٹ جسے پی کے مچلتے دیکھا

غزل

اس قدر مجھ پہ کرم اہلِ کرم رہنے دو
بارِ احساں سے نکل جائے نہ دم رہنے دو
میرے سجدوں کیلئے نقشِ قدم رہنے دو
یہ شوالے یہ کلیسا یہ حرم رہنے دو
میں تمہارا ہوں مجھے غیر نہ سمجھے دُنیا
اتنا تو میری محبّت کا بھرم رہنے دو
حسن والوں کی طرح دل تو نہیں توڑینگے
میرے حصّے میں یہ پتھر کے صنم رہنے دو
دیکھ لوں میں بھی محبّت کا جہاں کیسا ہے
اور کچھ دیر یونہی چشمِ کرم رہنے دو
شر اُٹھانے کو تو ہیں اور بھی دنیا میں مقام
کم سے کم ظالموں یہ صحنِ حرم رہنے دو
جب نسیمؔ اپنے مقدر میں مسرت ہی نہیں
کیا گلہ اُن سے کریں محوِ ستم رہنے دو

غزل

کبھی اپنوں سے کھیلے ہیں نہ بیگانوں سے کھیلے ہیں
جنوں والے تو بس اپنے گریبانوں سے کھیلے ہیں

رہِ ہستی میں جانے کتنے ارمانوں سے کھیلے ہیں
ہمارا حوصلہ دیکھو کہ طوفانوں سے کھیلے ہیں

وطن کی سرزمیں پر ایک نہ ایک آفت ضرور آئی
یہاں کے حکمراں جب بھی پریشانوں سے کھیلے ہیں

تعجب ہے زمانہ اُن کو فرزانے سمجھتا ہے
حقیقت میں وہ ناداں ہیں جو نادانوں سے کھیلے ہیں

یہ میخانہ ہے اس میں ہر کوئی مدہوش رہتا ہے
یہاں تو رند کیا زاہد بھی پیمانوں سے کھیلے ہیں

جنہیں قدرت نے کچھ بھی جذبۂ ایثار بخشا ہے
وہ انساں راہِ حق میں دل تو کیا جانوں سے کھیلے ہیں

خدا خود ہی مٹا دے گا نسیمؔ اُن کو زمانے سے
ستمگر جو مسیحا بن کے انسانوں سے کھیلے ہیں

غزل

انہیں کام ہے صرف جور و جفا سے
مرے یا جیئے کوئی اُنکی بلا سے

ستم سے جفا سے کرم سے وفا سے
مجھے اُس نے لوٹا ہے کس کس ادا سے

محبت میں مرتی ہے دُنیا جفا سے
مگر میں مرا ہوں کسی کی وفا سے

مجھے یاد آئیں کسی کی وفا میں
پڑا جب بھی پالا کسی بے وفا سے

ہے لبیک کہنا تو ایک دن اجل کو
کہاں تک بچاؤ گے دامن قضا سے

وہی لوگ کرتے ہیں باتیں وفا کی
تعلق نہیں جن کو رسمِ وفا سے

جو بیمارِ اُلفت ہو اُس کو غرض کیا
کسی کی دُعا سے کسی کی دوا سے

میں جھوٹے سہاروں کا قائل نہیں ہوں
ہمیشہ مرا کام نکلا دُعا سے

نسیم ان کے در پر ہی دن رات گزریں
دُعا مانگتا ہوں یہی میں خدا سے

غزل

گلوں کا رنگ چمن کی شگفتگی کیا ہے
جو تیرے ساتھ نہ گذرے وہ زندگی کیا ہے

ہر ایک بات میں اب اُن پہ چھوڑ دیتا ہوں
مرے مزاج میں جانے یہ سادگی کیا ہے

جو تو کہے تو دیارِ فلک بھی لے آؤں
زمیں کے پھول بہاروں کی دلکشی کیا ہے

خوشی کا ایک بھی لمحہ نہ مل سکا اُن کو
غمِ حیات کے ماروں کی زندگی کیا ہے

مرا تو دل بھی نہیں آج میرے کہنے میں
کسی کے طرزِ تغافل کی بات ہی کیا ہے

یہ اُن کے نقشِ قدم کی ہے نور افشانی
فلک پہ چاند ستاروں کی روشنی کیا ہے

نسیم غم ترا ظاہر ہے جب کہ چہرے سے
مزاج پوچھنے والوں سے برہمی کیا ہے

غزل

یہ وہ سمجھیں گے برا ہوتا ہے اچھا کیسا
میں تو مے نوش ہوں مجھ کو یہ سلیقہ کیسا

پھر ترا مجھ سے یہ الفت میں تقاضہ کیسا
دل تجھے دیدیا اور چاہیے تحفہ کیسا

بعد مدت کے میرے گھر میں بہار آئی ہے
اب میرے گھر سے ترا لوٹ کے جانا کیسا

جب بنا وقت بگڑتا ہے تو یہ ہوتا ہے
دور ہو جاتے ہیں سب اپنا پرایا کیسا

کیا کسی دل کو مری سمت سے تکلیف ہوئی
پیچھا کرتا ہے میرا آج یہ سایہ کیسا

ایک ہستی ہے میری ہمت کو بڑھانے والا
تو بھی غم میں مرے رہتا ہے بجھا سا کیسا

میں رہِ عشق میں ہر آگ سے کھیلا ہوں نسیم
پھر مرے سامنے بہتا ہوا دریا کیسا

غزل

فریب کھا کے مجھے پھر فریب کھانا ہے
سوال یہ ہے مرا اُن سے دوستانہ ہے

یہاں یہ غم کو سنانے کہاں چلے آئے
یہاں تو عیش میں ڈوبا ہوا زمانہ ہے

میں کارواں میں ہوا ہوں کچھ اس لیے شامل
کہ رہنماؤں کو اب راستہ بتانا ہے

جو آپ چاہیں تو دل کا خلوص بھی لے لیں
ہمارے پاس تو بس ایک یہی خزانہ ہے

جو چیز نظروں کو بھائی اُتر گئی دل میں
نگاہ و دل میں بھی کیا خوب دوستانہ ہے

مجھے یہاں بھی محبت نے کر دیا رسوا
مرا تو حال بھی ماضی میں لوٹ جانا ہے

تو اپنے آپکو سمجھے ہے کیا نسیم احمد
ادب سے بیٹھ ذرا اُن کا آستانہ ہے

غزل

مجھے جامِ اُلفت پلا دیجیے گا
غمِ زندگی سے چھڑا دیجیے گا

کروں بھول کر بھی جو عرضِ تمنّا
تو محفل سے اپنی اٹھا دیجیے گا

تمہیں محتسب ہو مری جانِ جاناں
اگر جرم ہو تو سزا دیجیے گا

جو بے حس دلوں میں بھی غیرت جگا دے
کوئی ایسا نغمہ سُنا دیجیے گا

کبھی بھول کر بھی نہ تم سے کہونگا
وفاؤں کا مجھکو صلہ دیجیے گا

جو احساں پہ مبنی مری زندگی ہو
نہ ایسی خدارا دُعا دیجیے گا

گئے ہیں کہاں آپ مجھ سے بچھڑ کر
خیالوں میں آ کر پتہ دیجیے گا

یہی وقت ہے آج قدموں پہ اُن کے
نسیمؔ آج سب کچھ لٹا دیجیے گا

غزل

کیوں بگڑتے ہو جو دلربا کہہ دیا
ایسا کیا ہو گیا میں نے کیا کہدیا

کیا سمجھ کر بتوں کو خدا کہہ دیا
کیسی کھودی سمجھ میں نے کیا کہدیا

مجھ سے نالاں ہیں کچھ لوگ اس بات پر
میں نے اُن کی جفا کو وفا کہدیا

میرا ایثار اُلفت میں اتنا بڑھا
ناروا کو بھی میں نے روا کہدیا

رنگ لاکر رہیں میری قربانیاں
آج اُس نے مجھے باوفا کہدیا

یہ بھی جرأت تھی میری کہ منہ پر تیرے
جتنا کہنا تھا اُس سے سوا کہدیا

میں خطاوار تھا میں خطاوار ہوں
میں نے پھر آپکو بے وفا کہدیا

یہ بڑا ظرف ہے یہ بڑی بات ہے
اُس نے ایک رند کو پارسا کہدیا

وہ نسیم آج مجھ سے خفا ہو گئے
بے خودی میں اُنہیں جانے کیا کہدیا

غزل

بارہا لکھ کے میرا نام مٹانے والے
کیوں نہ سمجھیں گے یہ مفہوم زمانے والے

یہ بھی سوچا کبھی الفت کو جتانے والے
پیچھے پڑ جائیں گے اپنے یہ زمانے والے

اپنی ہستی کو زمانے یہ مٹانے والے
کیا تجھے یاد رکھیں گے یہ زمانے والے

کتنے ہی پھول سے چہرے پہ اُداسی کیوں ہے
تو نے سوچا ہے کبھی آگ لگانے والے

یہ تجھے ملکِ عدم سے ہے تمنّا کیسی
اُس جہاں سے نہیں آتے کبھی جانے والے

ہچکیاں آج جو آتی ہیں برابر مجھ کو
تو نے کیا یاد کیا مجھکو بھلانے والے

ایک ہی نام سے تسکین ہوئی دل کو نسیم
ورنہ کافی ہیں یہاں دل کو دکھانے والے

غزل

بیتی باتوں کو کیا سنائیں ہم
یہ ہی بہتر ہے بھول جائیں ہم

کس میں ضبطِ غمِ محبّت ہے
کس کو اب رازداں بنائیں ہم

جس سے ملئے فریب دیتا ہے
اپنا کس کو یہاں بتائیں ہم

یہ تو ممکن نہیں غمِ دوراں
آج پھر اُن کو آزمائیں ہم

اپنی تصویر ہم سے بن نہ سکی
اُن کی تصویر کیا بنائیں ہم

جن کے دم سے ہے اب وجود اپنا
کس طرح اُن کو بھول جائیں ہم

جس میں دیکھو دھواں بھرا ہے نسیم
اب نئی شمع کیا جلائیں ہم

عید کے دن مرادآباد کے فساد سے

متاثر ہو کر (۱۹۸۰)

عید کیسی ہے اب کے وطن میں
منہ پہ تالا ہے گولی بدن میں

جس کو دیکھو وہ سکتے میں آیا
روح ہلتی نہیں مرد و زن میں

کتنی نعشیں پڑی ہیں زمیں پر
بے کفن ہے تو کوئی کفن میں

دیکھکر رہبروں کو ہمارے
آگ لگتی ہے اب تن بدن میں

ہم کو قربانیوں کا ہماری
یہ صلہ دے رہے ہو وطن میں

دیکھکر وہ قیامت کا منظر
آگ پھیلی ہے سارے چمن میں

پھر سے حالت اپنوں کی رولوں
اتنا پانی کہاں ہے نین میں

دخل جس میں نہیں کوئی اپنا
آگ لگ جائے اس انجمن میں

کوئی ساتھی نہیں ہے ہمارا
ہم تو تنہا ہیں اپنے وطن میں

غزل

خاک جینا ہے یہ پھر بھی جیتے رہے
عمر بھر زندگی ہم کو روتی پھرے

جن کی جیبوں میں ہے سیم و زر آج بھی
لوگ وہ وقت سے کھیلتے ہی رہے

جب کہ مڑ کر کوئی دیکھتا ہی نہیں
اُس کا پیچھا ہی کیا آرزو کیا کرے

ہائے مجبوریاں ہائے رے دوریاں
آدمی آدمی کو ترستا رہے

جن کی برسوں کٹی عیش میں زندگی
آج یہ سوچتے ہیں وقت کیسے کٹے

ہو تو جاؤں گا میں کارواں میں شریک
شرط یہ ہے میرے ساتھ تو بھی چلے

شعر ہوتا ہے جب یہ سنو اے نسیم
دل جگر سے لہو اپنے بہنے لگے

غزل

مری عرضِ تمنا پر ترا مغرور ہو جانا
ادائے بے نیازی پر مرا مسرور ہو جانا

ترا نظریں بدلنا اور مرا رنجور ہو جانا
محبت میں گوارہ کب ہے تجھ سے دور ہو جانا

میں عاشق ہوں مجھے ہرگز نہیں منظور ہو جانا
مری نظروں سے اے محبوب تیرا دور ہو جانا

یہی ہے زندگی میری یہی میری عبادت ہے
تیری آنکھوں سے پی لینا نشے میں چور ہو جانا

میں وہ لمحے سمجھتا ہوں مزہ جو ہے منانے میں
مجھے اچھا ہی لگتا ہے ترا مغرور ہو جانا

خدا کا شکر ہے پہنچے ہیں ہم شہرت کی منزل پر
ہر اک شاعر کی قسمت میں کہاں مشہور ہو جانا

یہی انسان کے حق میں سبق آموز باتیں ہیں
کہیں مختار ہو جانا کہیں مجبور ہو جانا

نہ راس آیا گلستاں تو گلہ صیاد کیا ہے
مری قسمت میں لکھا تھا چمن سے دور ہو جانا

تمہی مختار ہے مختار ہے مختار ہے مولیٰ
مجھے لازم ہے تیرے سامنے مجبور ہو جانا

تسلیم سنا تو ہوتا ہے ترے آتے ہی محفل میں
خوشی کی لہر سے ہر شخص کا مسرور ہو جانا

غزل

حُسن کی مختصر ایک نظر

عشق کے واسطے معتبر

کس کی ہے یہ صدا دل بتا

کون اپنا یہاں ہمسفر

سُننا چاہو تو سُن لو ابھی

میری روداد ہے مختصر

مِل ہی جائے گی منزل کبھی

کر لیا ہے ارادہ اگر

جب سے چھوٹا ہے دامن ترا

تلخ ہے زندگی کس قدر

خوش رہے وہ سدا اے نسیم

جس نے چھوڑا مجھے راہ پر

غزل

آپ جب سے گلستاں میں آنے لگے
پھول کیا خار بھی مسکرانے لگے

نیند آنکھوں سے میری اڑانے لگے
آپ پھر سے خیالوں میں آنے لگے

غیر تو غیر ہیں اُن سے شکوہ ہی کیا
آج اپنے بھی ہم کو ستانے لگے

یہ تو سارے کرشمے تصوّر کے ہیں
ورنہ وہ کس کی محفل میں آنے لگے

عشق میں دل تو کیا زندگی لٹ گئی
لیکن اچھا ہوا سب ٹھکانے لگے

تجھ سے رہبر میں اِس کی سوا کیا کہوں
آج رہزن بھی رستہ بتانے لگے

بھول جانا نسیمؔ اُن کو آساں نہیں
کیا کروگے وہ جب یاد آنے لگے

غزل

رو کے پھر مسکراتے رہے
دو دِلوں کو ملاتے رہے

اپنے اسلاف کی بات پر
سر کو اپنے جھکاتے رہے

یہ سدا ہی سے مقصد رہا
دوریوں کو مٹاتے رہے

مِل کے رہنے میں ہے فائدہ
دوسروں کو بتاتے رہے

وقت پڑنے پہ اُن کے لئے
ہم لہو تک بہاتے رہے

بزمِ شعر و سخن میں نسیم
حالِ غم کیوں سناتے رہے

غزل

میری برباد محبّت کے فسانے کی طرح
کیا مجھے تم بھی بھلا دو گے زمانے کی طرح

کیا مرے رُخ پہ نظر آئے جنوں کے آثار
آج ہر شخص ملا ایک دیوانے کی طرح

میں انہیں دل میں بٹھاؤں گا کبھی آنکھوں پر
ہاں وہ کچھ دیر کو آئیں کبھی آنے کی طرح

میں نے جب اُن سے کبھی ذکرِ وفا چھیڑا ہے
باتیں کرتے ہی رہے حیلے بہانے کی طرح

یہ نسیم اپنے امیروں کا کرم ہے ہم پر
بات بھی کی ہے تو احسان جتانے کی طرح

غزل

آج کچھ اعتبار ہوتا ہے
ورنہ دل بے قرار ہوتا ہے

دل کی باتوں کو دل ہی سمجھیگا
آنکھوں آنکھوں میں پیار ہوتا ہے

جب بھی نظروں سے مل گئیں نظریں
بن پئے ہی خمار ہوتا ہے

جانے کیوں آج اُن کے آتے ہی
دل ہوا پر سوار ہوتا ہے

جب بھی آرام سے وہ سوتے ہیں
دل کو میرے قرار ہوتا ہے

حُسن میں کچھ کشش تو ہوتی ہے
ورنہ دل کیوں نثار ہوتا ہے

جب بھی آندھی کے ہو گئے آثار
آسماں پر غبار ہوتا ہے

تم کو سمجھیں گے وہ نسیم احمد
اُن کا ہی اختیار ہوتا ہے

یہ غزل یادِ جمیلؔ مشاعرہ میں نسیمؔ میرٹھی نے پڑھی

یادِ جمیلؔ یونہی منایا کریں گے ہم
محفل مشاعروں کی سجایا کریں گے ہم

طوفان انجمن میں اٹھایا کریں گے ہم
دُنیا کو اُن کی غزلیں سُنایا کریں گے ہم

غزلیں سنا کے بزم میں حضرت جمیلؔ کی
دنیائے شعر و فن کو جگایا کریں گے ہم

جو ہونا چاہتے ہیں تغزل سے آشنہ
فکرِ جمیلؔ اُن کو دکھایا کریں گے ہم

جب دل میں آگ بھڑکے گی یادِ جمیلؔ کی
آنکھوں سے اپنی اشک بہایا کریں گے

رہ رہ کے نسیمؔ کہتا ہے اربابِ ذوق سے
اب اپنی غزلیں کس کو دکھایا کریں گے ہم

اُستاد حضرت جمیل احمد صاحب کی رحلت سے متاثر ہو کر

وفات :۔ ۲۸ر جون ۱۹۷۹ء بوقت ۴ بجے سہ پہر

قطعہ

نیا کارواں تم لیئے جا رہے ہو
مجھے آج تنہا کیئے جا رہے ہو
سہارے پہ یادوں کے کب تک جیونگا
کہ ایک مستقل غم دیئے جا رہے ہو

رہ رہ کے یاد آتی ہے صورت جناب کی
مجھ کو بہت ستاتی ہے فرقت جناب کی
تکلیف میں بھی لب پہ تبسم رہا سدا
سب کے لئے سبق تھی یہ عادت جناب کی

اُردو سے متعلق

قطعات

میری نظر میں اُسکی بھی تفہیم بڑی ہے
جو شخص جانتا ہے کہ تعلیم بڑی ہے
اب وہ بھی مانتے ہیں جو کل تک تھے حریف
اُردو زباں کی دُنیا میں تعظیم بڑی ہے

اُردو کی چمکتی ہوئی تقدیر دیکھیے
یہ منہ سے بولتی ہوئی تصویر دیکھیے
یہ خود ہی آفتاب ہے اور خود ہی ماہتاب
پھیلی جہاں میں اُردو کی تنویر دیکھیے

اُردو سے متعلق

بھارت میں اپنے دیکھئے کیا آن بان ہے
ہندی کا مان ہے کہیں انگلش کا مان ہے
جو بے ادب ہیں اُن سے شکایت ہی کیا کریں
اہلِ ادب کی جان تو اُردو زبان ہے

آزاد ہند فوج کے نیتا سبھاش چندر بوس سے متعلق

غلامی کے دشمن تھے نیتا ہمارے
وطن اُن کو پیارا وطن کے وہ پیارے
نسیمؔ اب نگاہیں یہی ڈھونڈتی ہیں
کِدھر کو گئے وہ کِدھر کو سدھارے

قطعہ

عید کی خوشی سے متاثر ہو کر

•

ہاں نفرت بھی اُلفت بنی آج ہو گی
ہر ایک دل کے اندر خوشی آج ہو گی
یہی عید کا خاص مقصد ہے صاحب
مسرت وطن میں نئی آج ہو گی

قطعات

ستم اس جہاں کے اُٹھاتے چلیں گے
نہ ہوں قہقہے مسکراتے چلیں گے
محبت کی راہوں میں مر مر کے ہم تم
زمانے کو جینا سکھاتے چلیں گے

یہاں تک تو انساں کا ایثار پہنچے
ثریا سے بلند اسکا معیار پہنچے
وہی جانتا ہے وطن کی محبت
وطن کے لیئے جو سرِ دار پہنچے

جو حقیقت میں ترے چاہنے والے ہونگے
اُن کے انداز زمانے سے نرالے ہونگے
شکر ہے پیاس تو کانٹوں کی بجھادی میں نے
کیا خبر تھی کہ مرے پاؤں میں چھالے ہونگے

قطعات

یہ معصوم چہرہ یہ چڑھتی جوانی
تو اپنا بنالے تری مہربانی
محبّت میں مجھ کو بھکاری سمجھ کر
مجھے بھیک دیدے مری زندگانی

خوشی دیکھتے ہیں نہ غم دیکھتے ہیں
کمالِ محبّت کو ہم دیکھتے ہیں
ہمیں ہے تمنّا ترے آستاں کی
بہت لوگ دیر و حرم دیکھتے ہیں

دیوالی کے سُنہری موقعہ پر

دیوالی کا دیکھو یہ رنگیں نظارہ
یہ منظر سُہانا ہے کیا پیارا پیارا
دیوالی کی خوشیاں ہوں سب کو مبارک
یہ پیغام پہنچے جہاں کو ہمارا

قطعہ

میں خوابوں کی دنیا بسانے چلا ہوں
نئی انجمن اک سجانے چلا ہوں
مخالف ہواؤں ذرا رحم کرنا
میں شمعِ محبّت جلانے چلا ہوں

کبھی دل کسی سے لگا دو تو جانیں
چراغِ محبت جلا دو تو جانیں
اُٹھانا تھا آساں محفل سے مجھ کو
محبّت کے صدمے اُٹھاؤ تو جانیں

ہولی سے متعلق

سو رنگ بدلتے ہیں تو ہولی کے بہانے
مِل مِل کے جو چلتے ہیں تو ہولی کے بہانے
کچھ حسن و محبّت میں تکلّف نہیں رہنا
ارمان نکلتے ہیں تو ہولی کے بہانے

گرو نانک جی سے عقیدت رکھتے ہوئے

ہستیٔ باصفا گرو نانک
قوم کے پیشوا گرو نانک
جن سے بندے بھی خوش خدا بھی خوش
تھے بہت پارسا گرو نانک

قطعات

یہ رنگین زمانہ مرے واسطے ہے
یہ منظر سہانا مرے واسطے ہے
مرے حال پر یہ کرم ہے انہیں کا
کہ اُن کا ترانہ مرے واسطے ہے

یہ ہندوستاں ہے یہ اپنا وطن ہے
سب اہلِ چمن ہیں سبھی کا چمن ہے
یہاں اختلافات ہے دھوپ چھاؤں
مگر اختلافات میں بھی لگن ہے

ختم شد

ZARRAT-E-LAHU

NASIM MEERUTHI
Addressing Ghazal
In All India Mushaera